علم کا سمندر



اشفاق احمد خاں

دارالسلام
DARUSSALAM

سلسلہ دورِ نبوّت کے بچّے 3

عِلم کا سمندر

عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما



اشفاق احمد خاں



دار السّلام

کتاب وسنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی

اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیو یارک



شاہِ روم کا دربار سجا تھا۔ لوگوں کی اکثریت گہری سوچ و فکر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب رومیوں نے مسلمانوں سے مسلسل شکست کھانے کے بعد ہار مان لی تھی۔ مسلمانوں کی شجاعت کی دھاک اُن پر بیٹھ چکی تھی۔ اس کے بعد گویا انھوں نے طے کر لیا تھا کہ اب ان کی لڑائی میدانِ جنگ میں ہرگز نہیں ہوگی' اگر ہوگی بھی تو کسی اور محاذ پر۔ یہ محاذ کون سا ہو......؟ یہی طے کرنے کے لیے دربار کا ہر فرد غور و فکر کر رہا تھا' کچھ ہی دیر بعد شاہِ روم کے ایک وزیر نے ہاتھ باندھ کر عرض کی:

''آقائے نعمت' میرے ناقص ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔''

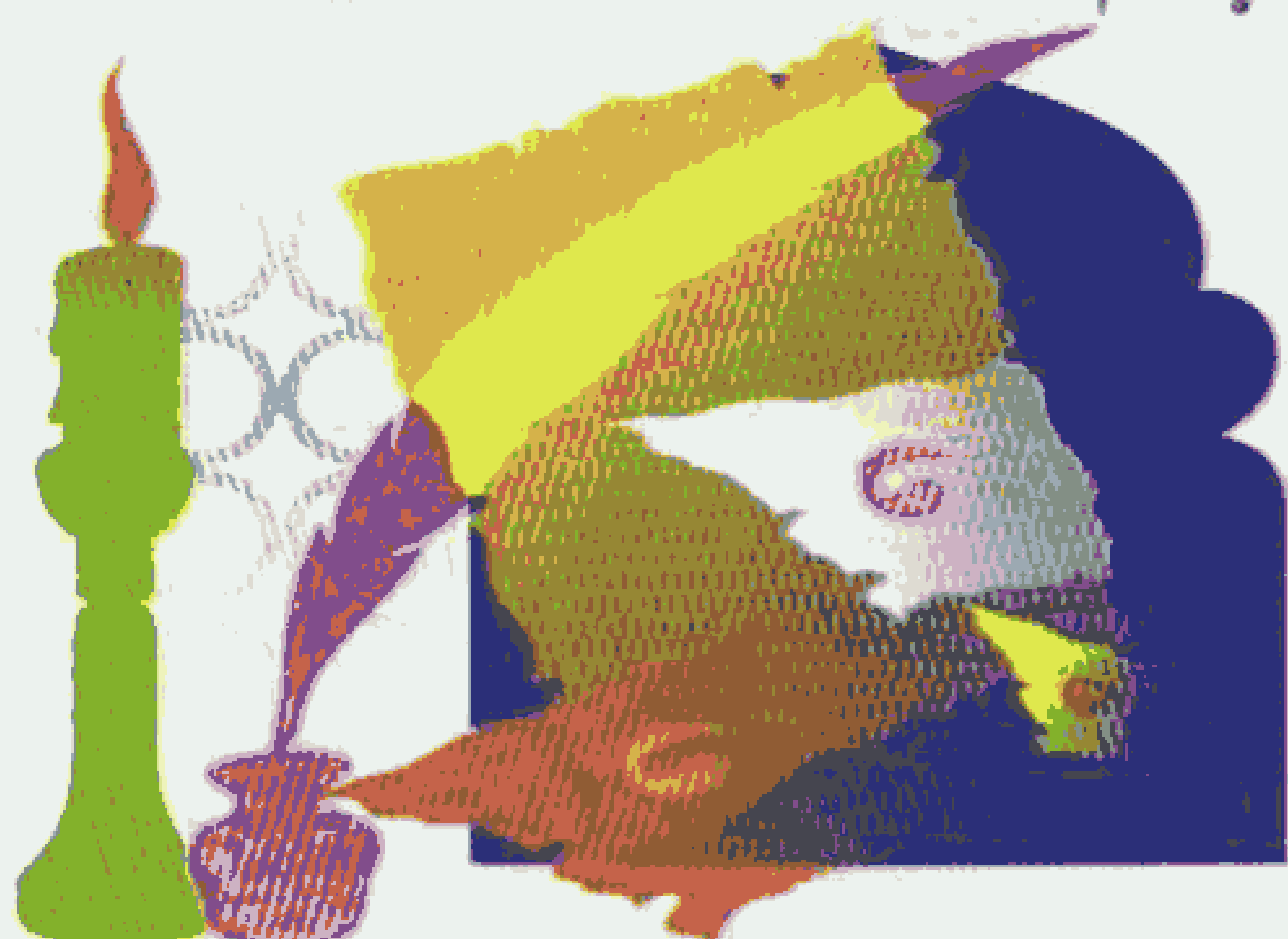
شاہِ روم نے گہری نظروں سے وزیر کو دیکھا اور بھاری آواز میں بولا ''جلدی سے بیان کرو! شاید......شاید اس مسئلے کا کچھ حل نکل آئے۔''

''بادشاہ سلامت' مسلمان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا دین ایک سچا دین ہے

ان پر یہ دین بذریعہ وحی' ایک آدمی محمد ﷺ کے ذریعے پہنچا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان کا مقابلہ ہم صرف اپنے علما ہی کے ذریعے کر سکتے ہیں۔''

''علما کے ذریعے......!'' شاہِ روم کو حیرت ہوئی۔

''جی میرے آقا' ہمارے عالم اپنے علم کی روشنی میں ان سے ایسے مشکل اور پیچیدہ سوال کریں جن کا جواب دینا ان کے لیے ناممکن ہو، اس طرح ان کے سچائی کے دعوے کو جھٹلایا جا سکے گا۔''



شاہِ روم کو تجویز پسند آئی' اُس نے اپنے علما کو طلب کیا اور اپنا مدعا ان کے سامنے رکھا۔ علما نے شاہِ روم کی فہم و فراست کو سراہا اور اُسے یقین دلایا کہ چند دنوں میں وہ ایسے سوال بنا لائیں گے جن کا جواب دینا' مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہوگا۔

چند دنوں کے بعد دربار پھر لگا ہوا تھا' شاہِ روم کے درباری علما نے ایک سوال نامہ تیار کر کے اُس کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ شاہِ روم نے سوال نامہ پڑھا تو وہ بھی حیران رہ گیا۔ سوال واقعی بہت مشکل تھے' خود اُسے بھی دو ایک سوالوں کی سمجھ آئی۔ علما نے شاہِ روم کے مطالبے پر اُن سوالوں کے جواب بیان کیے تو شاہِ روم بے حد متاثر ہوا' اُسے یقین ہو گیا کہ اہلِ عرب ان سوالوں کے جواب کبھی نہیں دے



پائیں گے۔ ایلچی کو سوال نامہ دے کر بھیج دیا گیا۔

یہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا واقعہ ہے۔ شاہِ روم کا ایلچی خط لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور خط پیش کرتے ہوئے گزارش کی کہ شاہِ روم کو چند مسائل میں پیچیدگی کا سامنا ہے' اپنے علم کی پیاس بجھانے کے لیے اُس نے آپ کے پاس



یہ خط بھیجا ہے اور ان سوالوں کے جواب مانگے ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے خط میں درج سوالات پڑھے تو مسکرا دیے۔ یقینی طور پر شاہِ روم ان کا امتحان لینا چاہ رہا تھا۔ انھوں نے بغیر کسی غور و فکر اور ہچکچاہٹ کے خط اپنے بہترین صاحبِ علم کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے سوالات پڑھے' انھیں ان کے جواب تلاش کرنے میں ذرا بھی دقت پیش نہ آئی۔ انھوں نے قلیل وقت میں ان کے جامع قسم کے جواب تحریر کر دیئے۔ سوال کچھ یوں تھے:

- اللہ کو سب سے زیادہ محبوب کلام کون سا ہے؟
- اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟

- اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والی عورت کون ہے؟
- وہ کون سی چار چیزیں ہیں جن میں روح تھی' لیکن وہ ماں کے پیٹ میں نہیں تھیں؟
- وہ کون سی قبر ہے جو اپنے ساتھی کو ساتھ لے کر چلتی پھرتی رہی؟
- وہ کون سی جگہ ہے جہاں سورج صرف ایک بار طلوع ہوا تھا؟
- قوسِ قُزح کیا ہے؟
- مجرَہ کیا چیز ہے؟

اس صاحب علم ہستی نے جو جواب تحریر کیے وہ کچھ یوں تھے:

- اللہ کو سب سے زیادہ محبوب کلام "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" ہے۔



- اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والے انسان آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کو اللہ نے اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا اپنی روح اُن میں پھونکی' اس کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اور تمام چیزوں کے نام بھی سکھائے۔
- عورتوں میں' اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والی عورت مریم بنت عمران علیہا السلام ہیں۔

❁ وہ چار چیزیں جن میں روح تھی مگر وہ ماں کے پیٹ میں نہیں تھیں وہ یہ ہیں:

1۔ آدم علیہ السلام 2 ۔ حوا علیہا السلام 3۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی

4۔ ابراہیم علیہ السلام کا مینڈھا جو اسماعیل علیہ السلام کی جگہ قربان کیا گیا۔

❁ وہ قبر جو اپنے ساتھی کو ساتھ لے کر چلی تھی' وہ مچھلی تھی جو یونس علیہ السلام کو ساتھ لے کر چلی تھی۔

❁ وہ جگہ جہاں آج تک صرف ایک بار سورج طلوع ہوا تھا' وہ سمندر ہے جسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے درمیان سے دو حصے کر دیا گیا تھا اور بنی اسرائیل نے اُسے صحیح سلامت عبور کر لیا تھا۔

❁ قوسِ قُزح سے مراد اہلِ زمین کا غرق ہونے سے محفوظ رہنا ہے۔

❁ مجَرہ آسمانوں میں ایک دروازہ ہے۔

شاہِ روم اور اُس کے درباری علما کو جب قاصد نے جواب لا کر دیے تو انھیں بہت تعجب ہوا۔ ان کا خیال تھا کہ اہلِ عرب بدو ہیں' بکریاں اور اونٹ چرانے والے گلہ بان ہیں' علم و دانش سے ان کا دور دور تک کوئی واسطہ نہیں۔ ان کے علمی سوالوں سے ان کی جہالت اور نام نہاد ایمان کا پول کھل جائے گا لیکن شاہ روم اپنے سوالوں کے جواب ہاتھ میں پکڑے



حیرت میں مبتلا تھا۔ جواب پڑھ کر خود اُس کا دماغ بھی چکرا کر رہ گیا تھا۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ایسے عمدہ اور جامع قسم کے جواب کس نے دیے! وہ پکار اُٹھا:

''اللہ کی قسم! یہ جواب معاویہ کی طرف سے نہیں ہو سکتے۔ یہ جواب کسی ایسے آدمی کے دیے ہوئے ہیں جس کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی آل سے ہے۔

یہاں شاہِ روم کے جملے سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحقیر کا پہلو نہیں نکلتا تھا بلکہ وہ پیغمبری کے مرتبے اور مقام کو اچھی طرح جانتا تھا اسی بنا پر وہ سمجھتا تھا کہ جس آدمی کا رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے تعلق نہیں، اُس کے لیے ان سوالوں کو سمجھنا اور ان کے شافی جواب دینا ممکن نہیں۔



وہ صاحبِ علم، نبیِ کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔ آپ کا شمار ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جنہوں نے بچپن ہی میں رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور ایمان لائے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے زیرِ سایہ آ گئے۔ آپ کے والد گرامی عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، اپنے بھائی ابو طالب کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مدد کیا کرتے تھے لیکن آپ نے اسلام قبول کرنے کا اعلان تاخیر سے کیا، کچھ دیر اپنے اسلام کو چھپاتے

رہے۔ جب جنگ بدر ہوئی تو وہ مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کے لیے نکلے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اعلان کیا:

''جو آدمی عباس کو ملے (یعنی اُسے پائے) وہ اُسے قتل نہ کرے' کیونکہ وہ صرف مجبوری کی حالت میں نکلے ہیں۔''

ابوالیسر کعب بن عمرو ؓ نے عباس ؓ کو قید کر لیا تو انھوں نے خود ہی اپنا فدیہ ادا کیا اور مکہ واپس چلے گئے۔ عباس ؓ کی وہ وصیت کتابوں میں محفوظ ہے جو انھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کے لیے کی۔ کہنے لگے:

''میں دیکھتا ہوں کہ آپ کو عمر بن خطاب ؓ پکار رہے ہیں' پھر آپ کو اپنے پاس بٹھا لیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ آپ سے بھی مشورہ کر رہے ہیں۔ میرے بیٹے! تین باتوں کا خیال رکھنا:

لا يجربن عليك كذبة ،
ولا تفشين له سراً ،
ولا تغتابن عنده أحداً.

۱۔ جھوٹ نہ بولنا۔

۲۔ کسی کا راز اُن کے پاس ظاہر نہ کرنا۔

۳۔ ان کے پاس کسی کی غیبت نہ کرنا۔

عبداللہ ؓ کی والدہ اُم الفضل ؓ نے اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کیا۔ آپ ﷺ اکثر ان کے گھر قیلولہ کرتے۔ اُم المومنین سیدہ میمونہ ؓ عبداللہ ؓ کی خالہ تھیں۔ ان رشتوں کے حوالے سے عبداللہ ؓ فضل و کمال کے انتہائی اعلیٰ

درجے پر تھے۔ آپ کی پیدائش بھی عجب حال میں ہوئی۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مشرکین مکہ، مسلمان ہونے والوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھاتے، اُن کا جینا دوبھر کر دیتے، انھیں دین کے راستے سے ہٹانے کے لیے ہر حربہ آزماتے۔ لیکن ان کی ہر چال ناکامی سے دوچار ہوتی۔

جب مشرکین مکہ اپنی ہر کوشش میں ناکام ہو گئے تو وہ سوچ میں پڑ گئے کہ آخر ایسا کون سا طریقہ ہو کہ یہ لوگ اپنے آبائی دین یعنی بتوں کی پوجا کی طرف لوٹ آئیں۔ ان کے ترکش کا ہر تیر بے کار ہو چکا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد انھوں نے طے کیا کہ مسلمان ہونے والوں سے ہر قسم کے تعلقات ختم کر دیے جائیں۔ یہ منصوبہ طے کر کے انھوں نے قطع تعلقی کا عہد کر لیا اور ایک اقرار نامہ لکھا۔ اُس میں تحریر تھا:

”جو آدمی بھی ان پر ترس کھائے گا یا ان کی حمایت کرے گا تو وہ اس سے خرید وفروخت نہیں کریں گے، نہ ان سے رشتہ لیں گے نہ ان کو رشتہ دیں گے۔“

یہ عہد نامہ لکھنے کے بعد انھوں نے شعب ابی طالب کا گھیراؤ کر لیا۔ کسی کو نہ تو





اندر سے باہر آنے دیتے تھے اور نہ ہی کسی کو اندر جانے دیتے تھے۔ کسی آدمی کے لیے یہ بہت مشکل تھا کہ وہ کسی طریقے سے ان لوگوں کی مدد کرے۔ ہر آنے جانے والے کو سختی سے روکا جاتا تھا۔ شعب ابی طالب میں محصور کیے گئے لوگوں میں اُم الفضل رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ انھوں نے بھی بہت اذیتیں اُٹھائیں' ان کو کھانے کیلئے کچھ بھی دستیاب نہ ہوتا تو درختوں کے پتے اور جانوروں کے چمڑے کھا کر گزارہ کرتے۔

اُم الفضل رضی اللہ عنہا کو عام لوگوں کی نسبت کئی گنا زیادہ تکلیف اُٹھانا پڑی۔ کیونکہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش قریب تھی۔ اس موقع پر خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کے بہت کام آئیں۔ انھوں نے ام الفضل رضی اللہ عنہا کو ہر لحاظ سے تسلی دی' حوصلہ بڑھایا، خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے کھانا چوری چھپے آتا تھا۔ وہ اُس میں سے آدھا کھانا اُم الفضل رضی اللہ عنہا کو دے دیتیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ہی ام الفضل رضی اللہ عنہا کو بچہ پیدا ہونے کی بشارت سنائی تھی۔ خود سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ بھی (دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ) شعب ابی طالب میں تھے تو میرے والدِ محترم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے محمد ﷺ، میں نے خواب میں اُم الفضل کو دیکھا کہ وہ حاملہ ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُمید ہے کہ اللہ اس بچے کی وجہ سے ہمارے چہرے منور فرمائے گا۔



واقعی عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش تنگی کے اندھیروں میں اُمید کی ایک کرن تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک تھا کہ اللہ اس بچے کی وجہ سے ہمارے چہروں کو منور کرے گا، یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے چہروں کو منور کرے گا، بلکہ فرمایا ہمارے چہروں کو منور کرے گا۔ گویا کہ پیدا ہونے والا ہر ایک مسلمان کے لیے خیر ثابت ہوگا۔ جب اُم الفضل رضی اللہ عنہا نے اس بچے کو جنم دیا تو عباس رضی اللہ عنہ اس بچے کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر خوشی خوشی خدمتِ اقدس میں جا پہنچے۔ اس بچے کی پیدائش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خوشی و مسرت سے مالا مال کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو پکڑ کر اپنی گود میں لیا اور پھر اپنے مبارک لعاب دہن سے گھٹی دی۔ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارے علم میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کے علاوہ اور کسی کو صرف اور صرف اپنے لعاب دہن سے گھٹی نہیں دی۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ تین سال کے تھے کہ ان کے والدین کو دوسرے مسلمانوں کی طرح ہجرت کرنا پڑی۔ اس طرح عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کم سنی ہی میں ہجرت کا شرف حاصل ہوگیا۔ سیرت کی کتب میں کم سنی کے باوجود آپ کا نام مہاجرین میں شامل ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ مدینہ ہجرت کے بعد ذرا شعور کی عمر کو پہنچے تو خود کو نبیٔ مہرباں صلی اللہ علیہ وسلم



کی شفقت کے سائے میں
پایا۔ رسول اللہ ﷺ کو بچوں سے
بہت اُنس تھا۔ بچے جب آپ ﷺ کی
خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ پیار و محبت سے
انھیں اپنے پاس بٹھا لیتے تھے۔ ان سے ایسا سلوک کرتے جیسا
حقیقی والدین کرتے ہیں۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ ہر جگہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے' آپ ﷺ کو کسی بھی وقت چھوڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔ خواہ آپ ﷺ سفر میں ہوتے یا حضر میں (یعنی مدینہ میں مقیم ہوتے)' مسجد میں ہوتے یا گھر میں' یا صحابہ کرام کی مجالس میں' ہمیشہ ساتھ رہتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ آپ نبیٔ اکرم ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے جو علم رسول اللہ ﷺ پر اُتارتے تھے، اُس علم کے حصول کی تڑپ اُن کو رسول اللہ ﷺ کے قریب رکھتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی رفاقت نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ ان کا بچپن اور جوانی تعلیمات نبوی کا بہترین عکس تھے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے براہِ راست علم حاصل کیا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رات کے آخری حصے میں' میں رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نماز

پڑھ رہے تھے، میں نے بھی پیچھے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے پیار کے ساتھ کھینچا تاکہ میں آپ ﷺ کے برابر کھڑا ہو جاؤں۔ جب آپ ﷺ دوبارہ نماز میں مشغول ہو گئے تو میں پھر پیچھے ہٹ گیا جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمانے لگے:

''عبداللہ، کیا وجہ ہے کہ میں نے تمھیں اپنے ساتھ کھڑا کیا اور تم پیچھے ہٹ گئے؟''

میں نے کہا: ''اے اللہ کے حبیب ﷺ! کیا کسی کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ آپ ﷺ کے برابر کھڑا ہو، کیونکہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

آپ ﷺ اُن کے اس جواب پر حیران ہوئے۔ پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی کہ اے اللہ، اس کے علم و فہم کو زیادہ کر دے!

ایک اور حدیث سے ہمیں اس بات کا پتا چلتا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کس طرح اپنا وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گزارتے تھے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: ''ایک مرتبہ میں نے اپنی خالہ اُمّ المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس رات گزاری۔ میں نے آپ ﷺ کے لیے ایک برتن میں پانی رکھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ پانی کس نے رکھا ہے؟''



سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”عبداللہ نے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا کی: ”اے اللہ! عبداللہ کو حکمت و دانائی عطا فرما!“

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ اُس پر پورا پورا عمل کرتے۔ ایک دن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے لڑکے! میں تجھے چند ایسی باتیں نہ بتاؤں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تجھے نفع دے گا:



- اللہ (کے احکام) کی حفاظت کر، اللہ تیری حفاظت کرے گا۔
- اللہ کی طرف دھیان کر، تو اُس کو سامنے پائے گا۔
- اللہ کو آسانیوں میں یاد رکھ، وہ تجھے تنگیوں میں یاد رکھے گا۔
- جب تو مانگے تو صرف اللہ سے سوال کر۔
- جب تو مدد طلب کرے تو صرف اللہ سے مدد طلب کر۔
- اگر تمام مخلوق تمہیں کوئی چیز دینا چاہے، وہ نہیں دے سکتی اگر اللہ نے وہ تمہاری قسمت میں نہیں لکھی، اگر تمام مخلوق اس بات پر جمع ہو جائے کہ تجھے کسی چیز سے محروم کر دے، تم سے کسی چیز کو روک لے، اور اللہ نے وہ تمہاری قسمت

میں لکھ دی ہے تو وہ نہیں روک سکتی۔

❁ صبر میں بہت بھلائی ہے، اگر چہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو، بے شک اللہ کی مدد صبر کی وجہ سے آتی ہے۔

❁ کشادگی رنج و مشقت کے ساتھ ہوتی ہے اور تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے آپ کے لیے بار بار یہ دعا کی:

''اے اللہ! عبداللہ کو قرآن کا مفسر بنا اور دین میں سمجھ عطا فرما!''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اُنھیں پاس بلا کر بٹھا لیتے اور فرماتے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ انھوں نے ایک مرتبہ آپ کو بلایا، آپ کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور آپ کے منہ میں لعابِ مقدس ڈالا۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح دعا کی جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے کی تھی کہ اے اللہ! اسے مفسرِ قرآن اور دین میں سمجھ والا بنا دے!



اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بلند علمی مقام عطا کیا۔ آپ کے علم کا اعتراف بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ کو کثرت علم کی وجہ سے ''بحرالعلم''

(علم کا سمندر) کا خطاب دیا۔ کسی نے طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: آپ رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ کرام کو چھوڑ کر ایک کم عمر آدمی سے علم حاصل کرتے ہیں۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ستر صحابہ کرام کو دیکھا کہ جب اُن میں کسی مسئلہ کے متعلق اختلاف ہو جاتا تو وہ سب آپ کی طرف رجوع کرتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی ایسا مسئلہ آ جاتا جس کو آپ حل نہ کر سکتے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے کہ ہمیں یہ مسئلہ درپیش ہے، میرے خیال میں آپ ہی اس مشکل مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں، عبید اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ کی احادیث کو آپ سے زیادہ جانتا ہو۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما علم کا ایسا سرچشمہ تھے کہ کسی مسئلہ کا علم یا حل اُن سے مخفی نہیں تھا۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور ساتھ ہی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی بلایا۔ پھر صحابہ کرام سے پوچھا:

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴾

اس سورت کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟

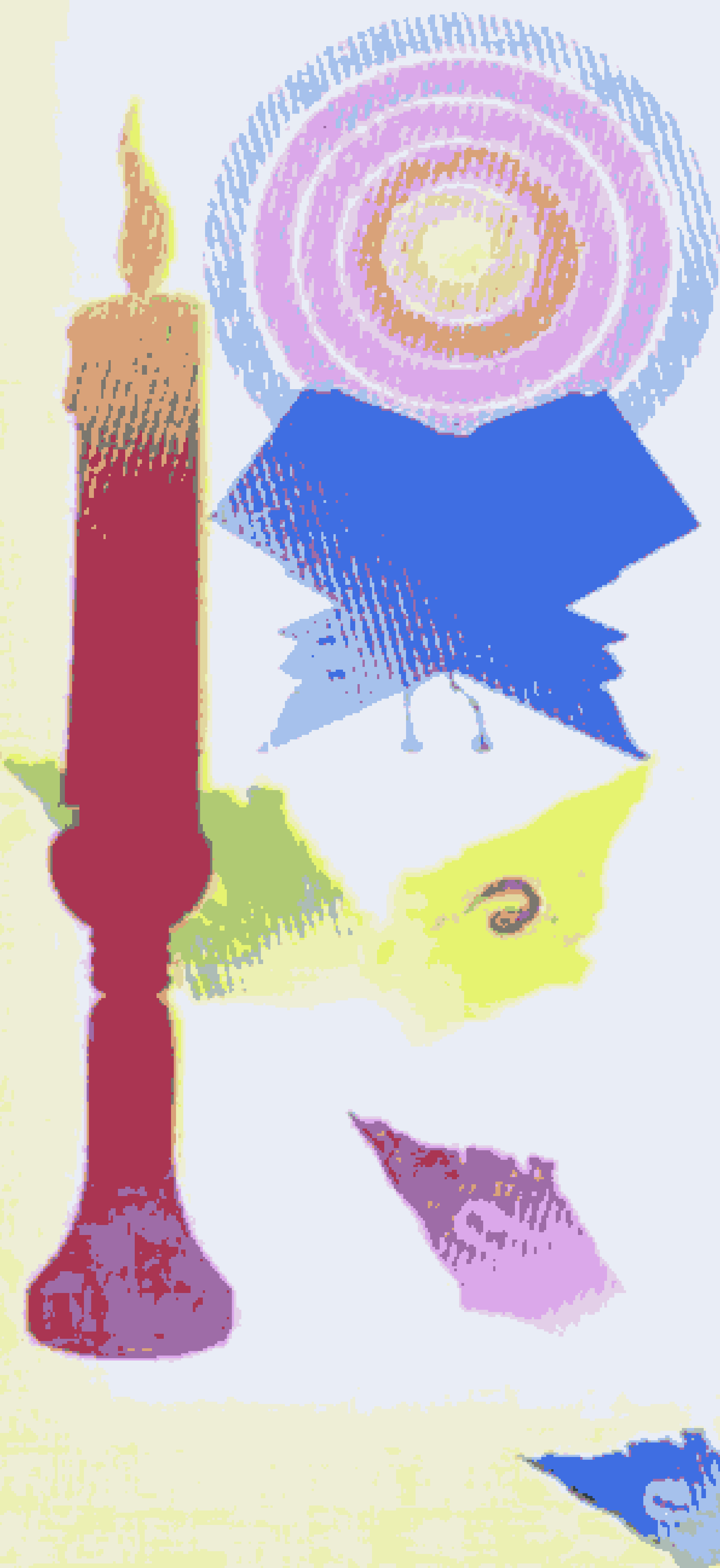
انھوں نے جواب دیا: اس سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ جب اللہ آپ کو فتح سے ہم کنار کرے تو اس سے بخشش اور مغفرت کی

دعا کرنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب اپنی یہ رائے دے دی تو پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا:

"اے عبداللہ! تم اِس سورت کے متعلق کیا جانتے ہو؟"

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "اے امیر المومنین! اس سورت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی موت سے آگاہ کر رہا ہے۔ ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴾ سے مراد فتح مکہ ہے اور ﴿ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴾ آپ کی موت کی علامت ہے۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سورۂ نصر کی اس تفسیر سے حیران ہو گئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علمی مقام، فقہی مرتبے اور ایمانی بصیرت نے انھیں اس تفسیر کو درست ماننے پر مجبور کر دیا۔



عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ مقام یونہی حاصل نہیں ہوگیا تھا۔ وہ بچپنہی سے علم کی بہت زیادہ لگن اور شوق رکھتے تھے۔ جس چیز کا آپ کو پتا نہ ہوتا، اُس کے متعلق اہلِ علم سے بار بار پوچھتے، جب تک دل و دماغ مطمئن نہ ہو جاتا، اپنا سوال ترک نہ کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے ساتھ سائے کی طرح رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر ایک بات

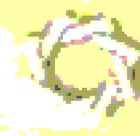
پوچھتے، جب اللہ کے رسول ﷺ اس دنیا سے رحلت فرما گئے تو بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے۔

عبیداللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ ابورافع کے پاس تشریف لائے اور ان سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق پوچھا کہ آپ ﷺ نے فلاں دن کیا کیا؟ ابورافع نے جو جواب دیا، اُسے فوراً لکھ لیا۔ اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک انصاری سے کہا:

”آؤ چلیں! رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے (آپ ﷺ کی باتیں) پوچھتے ہیں۔ وہ آج کثیر تعداد میں موجود ہیں۔“

وہ انصاری بولے: ”اے ابن عباس! افسوس ہے، آپ دیکھ نہیں رہے کہ لوگ تو علم حاصل کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں آ رہے ہیں، جن میں اصحاب رسول ﷺ بھی شامل ہیں اور آپ دوسروں کی طرف جا رہے ہیں۔ لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اُس انصاری کو وہیں چھوڑا اور خود صحابہ کرام کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیثِ رسول کے متعلق علم حاصل کرنا شروع کر دیا۔







عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اطلاع ملتی کہ فلاں صحابی کے پاس کوئی حدیث ہے جو میرے پاس نہیں ہے تو میں اُس صحابی کے گھر جاتا اور ان کی دہلیز پر بیٹھ جاتا۔ جب وہ باہر آتے اور مجھے دیکھتے تو پکار اٹھتے:

''اے رسول اللہ ﷺ کے چچازاد! کیسے آنا ہوا؟ آپ مجھے حکم بھیج دیتے، میں خود حاضر ہو جاتا۔'' میں کہتا: ''میرا حق بنتا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کروں۔''

آپ کی بلند علمی شان ہی تھی جس نے آپ کو ایک ایسا انوکھا اعزاز بخشا جو شاید ہی کسی عام انسان کو حاصل ہوا ہو۔ وہ اعزاز یہ تھا کہ انھوں نے جبریل علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس بارے میں عبداللہ بن عباس ؓ خود فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے والد گرامی کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھا۔ اس وقت آپ ﷺ ایک آدمی سے گفتگو فرما رہے تھے۔ وہ آدمی میرے والد گرامی سے بے نیازی اور بے رخی کا اظہار کر رہا تھا۔ چنانچہ ہم وہاں سے چلے گئے۔ میرے والد مجھ سے کہنے لگے: ''عبداللہ کیا تم نے اپنے چچا کے بیٹے کو دیکھا، وہ مجھ سے منہ پھیرے ہوئے تھے۔''

میں نے کہا: ''آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی تھا، آپ ﷺ اُس سے گفتگو فرما رہے تھے۔''



عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "کیا آپ ﷺ کے پاس کوئی آدمی موجود تھا؟"

میں نے کہا: "جی ہاں!"

میرے والد دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ابھی آپ کے پاس کوئی آدمی موجود تھا؟ مجھے عبداللہ نے بتایا کہ آپ کسی سے گفتگو فرما رہے تھے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عبداللہ! کیا تم نے اُس کو دیکھا ہے؟"

میں نے کہا: "جی ہاں!"

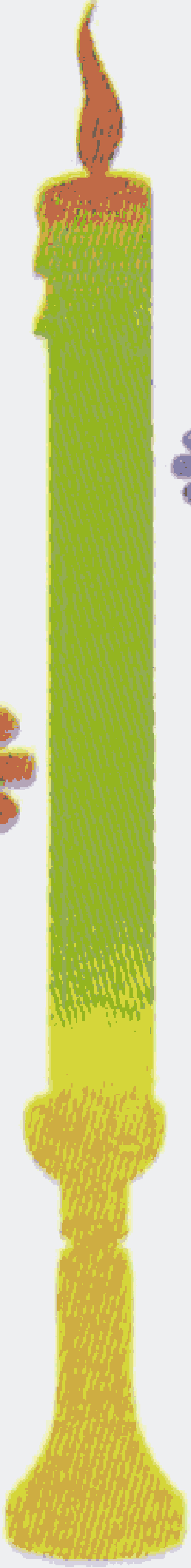
آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ جبریل تھے۔"

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اللہ تعالیٰ نے دیگر خوبیوں کے ساتھ بردباری اور حوصلہ مندی سے بھی نوازا تھا کیونکہ اُنھیں محبوبِ ربانی ﷺ کا یہ فرمان کبھی نہیں بھولتا تھا کہ:

"اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ مومن بندہ ہے جو غصے کو پی جاتا ہے۔"



ایک دفعہ کسی آدمی نے آپ کو گالی دی۔ آپ نے اُس سے فرمایا: ''تم نے مجھے گالی دی ہے، سنو! مجھ میں تین خصلتیں پائی جاتی ہیں:



1- میں جب سنتا ہوں کہ مسلمانوں کا حاکم اپنے فیصلے میں عدل وانصاف سے کام لیتا ہے تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے حالانکہ شاید میں خود اُس کے پاس کبھی اپنے بھائی کا جھگڑا لے کر نہ جاؤں۔

2- جب کسی بھی علاقے میں بارش ہوتی ہے تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے، حالانکہ میرے پاس چرانے کے لیے کوئی جانور نہیں۔

3- جب مجھے قرآن پاک کی کسی بھی آیت کے متعلق آگاہی ہوتی ہے تو میں خیال کرتا ہوں کہ تمام مسلمان میری طرح اس کو پہلے ہی سے جانتے ہیں۔

اُن کا مطلب یہی تھا کہ جو آدمی دوسروں کی خوشیوں کو ترجیح دیتا ہو، اُن کے مفاد کو فوقیت دیتا ہو، وہ اپنی ذات کے نقصان کی پروانہیں کرتا، اپنے خسارے کی فکر نہیں کرتا۔

علم وہی اچھا ہوتا ہے جس پر عمل کیا جائے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما علم کا سمندر تھے۔ اُن کی زندگی اُس علم پر عمل کی شاندار تصویر تھی۔ اُن کا تمام وقت اللہ کی رضا

کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ وہ بہت متقی اور پرہیزگار تھے۔ عبداللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں مکہ سے مدینہ تک سفر میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ جب کبھی ہم راستے میں ٹھہرتے، تو وہ آدھی رات تک قیام کرتے۔ جب چلتے تو تسبیحات کا ورد جاری رکھتے۔

سماک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بینائی بیماری کی وجہ سے متاثر ہوگئی۔ معالجوں نے اُنھیں کہا:

''ہم آپ کا علاج تو کر دیتے ہیں، مگر پانچ دن تک آپ نماز ادا نہیں کریں گے۔''



عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا:

''اللہ کی قسم! تم تو پانچ دن کی نمازوں کی بات کرتے ہو، میں ایک رکعت چھوڑنے کو تیار نہیں۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جس نے جان بوجھ کر ایک نماز چھوڑ دی وہ قیامت کے روز اللہ کو غصے کی حالت میں پائے گا۔''

آپ عبادت کے حوالے سے فرمایا کرتے تھے کہ جو عبادت مسلمانوں میں اتحاد پیدا نہیں کرتی، آدمی کے دل کو نرم نہیں کرتی، فقیر و ضرورت مند پر ترس کھانا

ناکام ہو جائے تو کفِ افسوس ملتا ہے، یہ اس گناہ سے بڑا جرم ہے۔ تیرا ہوا سے خوف کھانا جب وہ گناہ کے وقت دروازے سے ٹکراتی ہے اور پردے حرکت کرتے ہیں اس وقت تو حالتِ گناہ میں ہوتا ہے۔ تیرا دل اس وقت اللہ کے خوف سے نہ کانپنا کہ وہ تیری طرف دیکھ رہا ہے اس گناہ سے بڑا جرم ہے۔"

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول و فعل میں کامل یکسوئی پائی جاتی تھی، جو کہتے اس کے مطابق عمل بھی کرتے ،لوگوں کو برائیوں سے روکتے اور خود بھی برائیوں سے اجتناب کرتے ،اکثر و بیشتر دن کو روزہ رکھتے اور رات کو عبادت میں مصروف رہتے۔ آپ کی مجلس میں کوئی عالم آکر بیٹھتا تو آپ اس کے ساتھ انتہائی تواضع و انکساری سے پیش آتے اگر کوئی سائل سوال کرتا تو اسے تسلی بخش جواب دیتے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی علمی شان، اُن کی معاملہ فہمی اور باطنی فکر کی عظمت کو سب نے تسلیم کیا۔ سبھی نے اُن میں خیر اور بھلائی پائی۔ جب صعصعہ بن صوحان رضی اللہ عنہ بصرہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق دریافت کیا، کیونکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اُن کی طرف سے بصرہ کے والی مقرر کیے گئے تھے۔ صعصعہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

"اے امیر المومنین! وہ تین چیزوں پر عمل کرتے ہیں اور تین چیزوں کو چھوڑ

دیتے ہیں:

1- جب وہ بات کرتے ہیں تو لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں۔

2- جب اُن کے سامنے کسی کے متعلق بات کی جاتی ہے تو بڑے غور سے اس کی بات سنتے ہیں۔



3- جب دو مختلف کاموں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو آسان کام کو اختیار کرتے ہیں۔

اور جن تین چیزوں کو وہ چھوڑ دیتے ہیں وہ یہ ہیں:

1- لڑائی جھگڑا

2- کمینے سے دوستی

3- وہ چیز جس میں ملامت کا اندیشہ ہو

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کوئی حاضر جواب نہیں دیکھا، بلکہ ان سے بڑھ کر نہ عقل میں دیکھا اور نہ علم اور حوصلہ میں۔ ابووائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حج کے موقع پر خطبہ ارشاد کیا۔ آپ نے سورۂ نور کا آغاز کیا، اُس کو پڑھتے رہے اور تفسیر فرماتے رہے۔ میں اُن کے شاندار اندازِ گفتگو کو دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ آج تک میں نے ان جیسی تقریر نہیں سنی، نہ میں نے آج تک اُن جیسا کوئی آدمی دیکھا۔



اگر فارسی، رومی اور ترکی بھی آپ کی بات کو سن لیتے تو وہ بھی مسلمان ہو جاتے۔

مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھتا تو بے ساختہ میری زبان پر یہ الفاظ جاری ہو جاتے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت! جب وہ بولتے تو میں کہتا کہ سب سے زیادہ فصیح و بلیغ! جب کوئی حدیث بیان کرتے تو میں کہتا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ صاحبِ علم۔

صحابہ کرام اور تابعین کی آپ کے بارے میں یہ آراء بلا وجہ نہیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا قبول کرکے اُن کے ذہن کو علوم سے بھر دیا تھا۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ انھوں نے اُن اصحابِ رسول سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھا کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ اُن سب کی باتوں کو سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے:

"آپ اپنی رائے پیش نہیں کر رہے، کون سی چیز مانع ہے؟"

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

"اے امیر المومنین بے شک اللہ ایک ہے اور ایک ہی کو پسند کرتا ہے لیکن اُس نے:

- دنیا کے سات دن مقرر کیے جو بار بار آتے جاتے ہیں۔
- اللہ تعالیٰ نے انسان کو سات چیزوں سے پیدا کیا۔



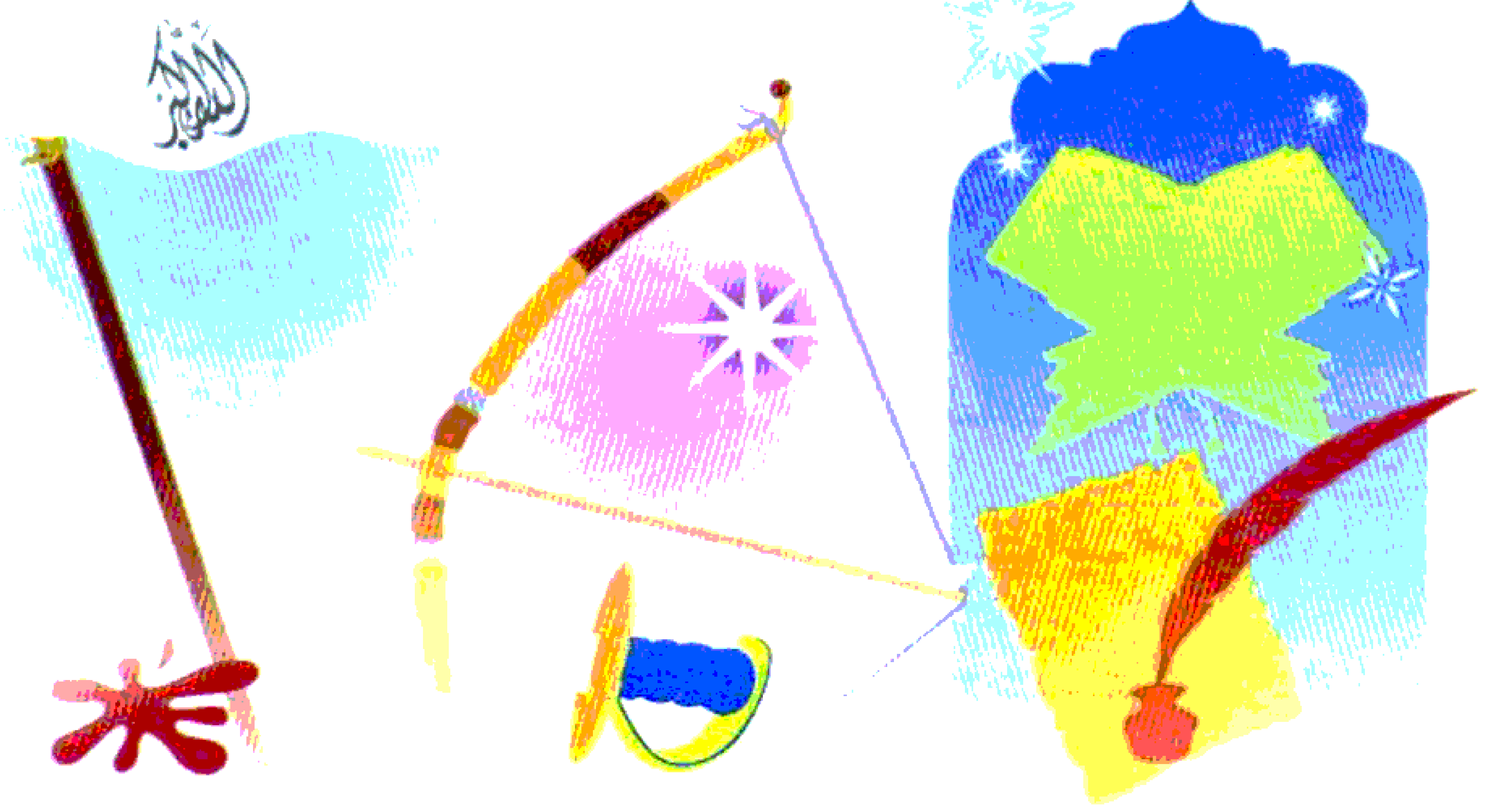
- اس نے ہمارا رزق سات چیزوں سے پیدا کیا۔
- اُس نے ہمارے اوپر سات آسمانوں کو پیدا کیا۔
- اُس نے ہمارے نیچے سات زمینوں کو پیدا کیا۔
- اُس نے ہمیں سات، بار بار دہرائی جانے والی آیات عطا کیں۔
- اس نے اپنی کتاب میں سات قریبی رشتہ داروں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا۔
- اُس نے اپنی کتاب میں وراثت کو سات رشتہ داروں میں تقسیم فرمایا۔
- ہم اپنے جسم کے سات اعضا سے سجدہ کرتے ہیں۔
- رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کے سات چکر لگائے اور صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔
- آپ نے جمرات کو سات کنکریاں ماریں۔

اسی بنا پر میں لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری سات راتوں میں تصور کرتا ہوں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا جواب سن کر حیران ہوئے، پھر فرمانے لگے: ''میری بھی یہی رائے ہے۔ بے شک اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اس کو آخری عشرے میں تلاش کرو۔''

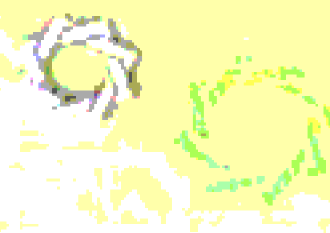
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما علمی جہاد ہی نہیں کرتے تھے بلکہ وہ عملی جہاد میں بھی حصہ لیتے تھے۔ ان کی عبادت، تقویٰ اور پرہیز گاری جہاد کے راستے کی رکاوٹ نہیں تھے

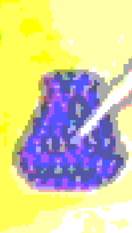




بلکہ یہ تو شوق جہاد کو اور بھی تیز کر دیتے تھے۔ انھوں نے کئی جنگوں میں شرکت کی اور شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے سبیطلہ، طبرستان، جمل اور صفین کی جنگوں میں دلیری اور جرأت سے کارنامے سرانجام دیے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور رات کی عبادت اُن کو دن میں رزق حلال کمانے سے نہیں روکتی تھی، نہ ہی حصول علم کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ تھی اور نہ یہ چیزیں انھیں جہاد سے روکتی تھیں، جب اعلان جنگ ہوتا کہ اے مجاہد، اللہ کی راہ میں سواری پر بیٹھ اور میدانِ جنگ کی طرف نکل! تو فوراً کھڑے ہو جاتے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اکہتر (71) سال عمر پائی۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی اللہ کے دین کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں کبھی عبادت کی حالت میں، کبھی طالب علم کے روپ میں، کبھی علم سکھانے کا فرض





انجام دیتے ہوئے اور کبھی جنگ کے میدان میں شجاعت و دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ، غرض آپ کی تمام زندگی اُمت اسلامیہ کے لیے بھلائی تھی۔ آپ کی یہ بھلائی ہمیشہ علم کو پھیلاتی رہے گی۔ ایسی بھلائی جو کتابوں کے اوراق اور لوگوں کے سینوں میں احادیث کے طور پر محفوظ ہے۔ یہ ساری عمر کے لیے ایک صدقۂ جاریہ ہے۔ 68 ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔ ہر ایک نے موت سے ہم کنار ہونا ہے۔ ہر چیز ایک دن فنا ہو جائے گی۔ بقا صرف اللہ کی ذات کو ہے۔ صرف وہی ذات ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔



عِلم کا سمندر

آپ سے کوئی پوچھے کہ منزل تک پہنچنے کے لیے کیا کرنا چاہیے
تو آپ کا جواب کیا ہوگا؟
یہی نا! کہ مسلسل محنت، لگن اور جدو جہد ہی سے منزل ملتی ہے
جہدِ مسلسل ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے
اَن ہونی کو ہونی میں بدل دیتی ہے
اُن صاحب نے یہی کیا...... بچپن ہی سے علم کے حصول کی تڑپ تھی، پیاس تھی
اس پیاس کو بجھانے کے لیے انھیں دنیا کے افضل ترین انسان کی
رہنمائی دستیاب ہوگئی
علم کے حصول کے دوران
انھوں نے وقت کا ضیاع بالکل نہ ہونے دیا
شب و روز انھیں بس ایک ہی لگن رہی
علم علم اور بس علم
اس کے لیے وہ ہر کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے
جس کسی کے پاس کسی نئی بات کی خبر پاتے، اس کے در پر پہنچ جاتے
اس عاجزی نے اُن کی ذات کو
علم کے پھلدار درخت میں تبدیل کر دیا۔ پھلدار درخت ساری عمر، سر جھکا کر اپنے پھل بانٹتا رہتا ہے۔ سو انھوں نے بھی تا عمر یہی کیا، اور ان کا پھل دار درخت ان کے بعد بھی دنیا پر علم کے پھل نچھاور کر رہا ہے اور تا قیامت کرتا رہے گا
''علم کا یہ سمندر'' ...... کون تھا؟ سادہ پیرائے کی خوبصورت کہانی پڑھ کر ہی پتا چلے گا

دارُالسّلام
کتاب و سنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیو یارک
دارالسلام
DARUSSALAM